بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

جمادی الاولیٰ کے اشارات میں نماز کے متعلق "حق گو" صاحب کے نتائج افکار پر جو بحث کی گئی تھی اس کو دیکھ کر ایک صاحب لکھتے ہیں۔

جہاں تک اوقات نماز کا تعلق ہے، آپ نے "حق گو" کے شبہات کو اس طرح دور کر دیا ہے کہ کسی بحث و کلام کی گنجایش باقی نہیں رہی لیکن جہاں آپ نے یہ بتایا ہے کہ انسان کی عملی زندگی پر نماز کا کیا اثر مترتب ہوتا ہے، اور نماز کس طرح انسان کو اطاعت احکام الٰہی کا خوگر بناتی اور اس میں فرض شناسی کا مادہ پیدا کرتی، اور اسے زندگی کے معاملات میں اسلام کے ڈیسپلن کی پابندی کرنے کے قابل بناتی ہے، وہاں ایک شبہہ پیدا ہوتا ہے جس کا کوئی جواب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ نظریہ کی حد تک میں مانتا ہوں کہ نماز، اور صرف نماز ہی نہیں، اسلام کی دوسری فرض عبادات بھی اسی غرض کے لیے رکھی گئی ہیں کہ انسان کی عملی زندگی پر ان کا اثر مترتب ہو، اور ان کے لئے جو صورت مقرر کی گئی ہے، وہ یقیناً ایسی ہے کہ اس کا وہی اثر اخلاق، سیرت اور کردار پر مترتب ہونا چاہئے جو مقصود ہے، مگر اس کی کیا وجہ ہے کہ آج ہم اس اثر کو مسلمانوں کی عملی زندگی میں مفقود پاتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ نماز پڑھنے والے، روزہ رکھنے والے، حج اور زکوٰۃ ادا کرنے والے مسلمان اسلامی اخلاق کے نمونے ہوتے، صداقت امانت تقویٰ و طہارت کے پتلے ہوتے

مگر واقعہ اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ نمازیوں روزہ داروں اور حاجیوں کو ہم باعتبار اخلاق و معاملات ان لوگوں سے کچھ بھی مختلف نہیں پاتے جو نماز روزہ اور دوسری عبادات کے تارک ہیں۔ بلکہ بہت سے عبادت گذار لوگوں کا حال تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی عبادت گذاری کو اپنے معاملات کی خرابی کے لیے سپر بنا رکھا ہے اور ان کے اعمال کی خرابیوں کو دیکھ دیکھ اکثر نئے تعلیم یافتہ حضرات خود نماز روزے کی طرف سے بدگمان ہوتے جاتے ہیں"

معترض نے جو شبہہ ظاہر کیا ہے وہ ایک عام شبہہ ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک حد تک واقعات پر مبنی ہے۔ مگر اس میں کوئی ایسا اشکال نہیں جس کے حل میں دشواری ہو معترض خود تسلیم کرتا ہے کہ اسلامی عبادات کا نظریہ اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ عقل حکم لگاتی ہے کہ جس غرض کے لیے یہ عبادات فرض کی گئی ہیں، وہ ان سے بدرجۂ اتم پوری ہونی چاہیے کیونکہ انسان کے نفس کو خدا کی طرف متوجہ کرنے اور احکام خداوندی کی اطاعت کا خوگر بنانے کے لیے اس سے بہتر کوئی عملی طریقہ نہیں ہوسکتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ عالم واقعہ میں بھی اس نظریہ کی صحت ثابت ہوچکی ہے، قرون اولیٰ میں اسی نماز روزے اور حج و زکوٰۃ نے اسلام کے نصب العین کے مطابق عرب و عجم کے لاکھوں کروروں انسانوں کی روحانی و اخلاقی تربیت کی ہے، اور ان کے اخلاق، سیرت، اور کردار پر وہی اثر ڈالا ہے جو اسلام کا مقصود تھا۔ اب اگر ہم کسی شخص یا جماعت کی عملی زندگی میں ان عبادات کے وہ اثرات نہیں دیکھتے، تو عبادات کی قوت تاثیر میں شبہہ کرنے کے بجائے ہم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ نفس کی قوت تاثر ماؤف ہوگئی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے۔ تجربہ و مشاہدہ کی تکرار نے اس امر میں کسی شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رکھی ہے کہ آگ کا کام جلانا اور لکڑی کا کام جلنا ہے۔ اس یقینی علم کی وجہ سے اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسی لکڑی کو آگ پر رکھا جاتا ہے اور وہ نہیں جلتی تو ہم کو یہ گمان نہیں ہوتا کہ آگ میں جلانے کی قوت نہیں ہے، بلکہ ہم یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ لکڑی گیلی تھی

اس میں آگ کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح جس طریق تربیت وہدایت کے متعلق ازروئے عقل ہم جانتے ہیں کہ نفوس پر اس سے ایک خاص اثر مترتب ہونا چاہیے اور اس کی عین فطرت اس کی مقتضی ہے کہ اس سے نفوس پر وہی اثر مترتب ہو، اور تجربہ سے ثابت بھی ہو چکا ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں بے شمار نفوس پر فی الواقع وہی اثر مترتب ہوا ہے، اس کی تاثیر کو اگر ہم بعض نفوس کے حق میں ناکام دیکھتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہمارے دل میں اس کی تاثیر کے متعلق کوئی شک پیدا ہو؟ کیوں نہ ہم سمجھیں کہ گیلی لکڑی کی طرح ان نفوس میں بھی اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے؟

نماز اپنی ظاہری صورت میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ اوقات مقررہ پر چند جسمانی حرکات کا اعادہ اور چند مقرر الفاظ کی تکرار ہے۔ یہی حال دوسری عبادات کا بھی ہے۔ ایک خاص مہینے میں صبح سے شام تک اکل وشرب اور صحبت سے مجتنب رہے، اس کا نام روزہ ہو گیا۔ سال میں ایک مرتبہ اپنے مال میں سے ایک مقرر مقدار کو مخصوص مصارف کے لئے نکال دیا۔ یہ زکوٰۃ ہو گئی۔ ایک خاص زمانہ میں حجاز کا سفر کیا اور مخصوص مقامات پر چند مناسک ادا کر دیئے یہ حج ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ بجائے خود ان افعال میں کوئی ایسی چیز نہیں جو انسان کے نفس پر اثر انداز ہو سکتی ہو مجرد افعال ہونے کے لحاظ سے نماز اور ایک جسمانی ورزش، روزے اور فاقے، زکوٰۃ اور سرکاری ٹیکس، حج اور عام سفروں کے درمیان کچھ بھی فرق نہیں۔ اور کوئی صاحب عقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ ورزش جسمانی سے روح میں لطافت پیدا ہوتی ہے، یا فاقہ کرنے سے اخلاقی تربیت ہوتی ہے، یا ٹیکس ادا کرنے اور کسی مقام کا سفر کر آنے سے انسان میں اعلیٰ درجہ کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر جو چیز ان اعمال کو دوسرے افعال سے ممتاز کرتی اور ان کو تہذیب اخلاق و تزکیۂ نفس و تصفیۂ روح کا ایک بہترین ذریعہ بناتی ہے وہ ایمان ہے۔ ایمان ہی رکوع و سجود اور قیام و قعود کو "نماز" بناتا ہے۔ وہی فاقے کو "روزے" میں تبدیل کر دیتا ہے۔ وہی

ٹیکس کی ماہیت میں انقلاب پیدا کرکے اسے "زکوٰۃ" کا بلند مرتبہ بخشا ہے۔ وہی ایک خاص قسم کے سفر کو سیر و سیاحت کے ادنیٰ مقام سے اٹھا کر "حج" کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ وہ درحقیقت تمام عبادات کی روح اور ان کا جوہر ہے۔ اسی سے ارکانِ عبادت میں معنویت پیدا ہوتی ہے، وہی ان ارکان کو تاثیر کی قوت بخشتا ہے اور نفس میں ان سے متاثر ہونے کی استعداد پیدا کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص خدا اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول مانتا ہو، اور ان کی لائی ہوئی تعلیم کو خدا کی تعلیم سمجھتا ہو، تو ممکن نہیں کہ وہ دن میں پانچ وقت خدا کو یاد کرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھائے ہوئے سبق کو دہرائے اور پھر بھی اس کی لوح دل اس یاد کے اثر سے یکسر خالی رہے، اور اس کی روزمرہ کی زندگی میں خوف خدا اور اطاعت احکام الٰہی کا کوئی نشان بھی نمایاں نہ ہو۔ ہر سال پورے ایک مہینے تک سخت ضوابط کے ماتحت تقویٰ اور خشیت الٰہی کی تربیت پاتا رہے۔ اور پھر بھی اس کی زندگی میں قطعاً کوئی انقلاب نہ ہو حتیٰ کہ وہ بالکل ایسا رہے گویا اس نے یہ تربیت پائی ہی نہیں۔ خالص ایمان بالغیب کی تحریک پر ہر سال اپنے محبوب مال کی قربانی کرتا رہے اور پھر بھی اسی شحّ نفس اور قساوت قلب اور حرام خوری و خود غرضی کے عرض میں مبتلا رہے جو ایک بے ایمان زر پرست انسان میں پائی جاتی ہے۔ اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتا ہوا اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنے مفید و محبوب مشاغل ترک کرکے فقیرانہ لباس پہن کر نکلے ایک مدت دراز تک اسی شوق اور عشق کی لگن دل میں لیے ہوئے سفر کرے یہاں تک کہ مرکز اسلام میں پہنچ کر اپنی آنکھوں سے اللہ کی ان روشن نشانیوں کا مشاہدہ کرلے جو خدا کے سچے اور مطیع فرمان بندوں کی سرفرازیوں، اور سرکشوں کی نامرادیوں پر کھلی گواہی دے رہی ہیں، اور پھر بھی جب واپس آئے تو اس سفر کے آثار اور ان نتائج سے اس کی سیرت ایسی معرّا ہو کہ گویا وہ کہیں گیا ہی نہیں اور اس کی آنکھوں نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ کمیت و کیفیت کے اعتبار سے ہر نفس پر ان عبادات کی تاثیرات یکساں نہیں ہوسکتیں۔ نفوس کی استعدادات اور قوت ایمانی کی شدت و ضعف کے لحاظ سے ان کا

کم و بیش اور شدید و ضعیف ہونا ایک امر فطری ہے لیکن ایمان کے ساتھ جو عبادت کی جائے اس کا بالکلیہ بے اثر ہونا تو یقیناً غیر ممکن ہے، اور ہم قطعیت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص نماز کو فحشاء و منکر کے ساتھ جمع کرے، جس کی زندگی میں روزہ اور فسق ایک ساتھ پائے جائیں جس کی سیرت میں حرام خوری اور زکوٰۃ اور شحِّ نفس دونوں بہم ہوں، جو حج اور ہتک حرمات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دے، وہ درحقیقت مومن نہیں منافق ہے۔ اس کی نماز "نماز" ہی نہیں ایک عادی حرکت ہے۔ اس کا روزہ "روزہ" نہیں فاقہ ہے، اس کی زکوٰۃ "زکوٰۃ" نہیں چندہ یا ٹیکس ہے۔ اس کا حج "حج" نہیں بلکہ اس کے لیے ویسا ہی ایک سفر ہے جیسا پیرس اور لندن کا سفر۔

یہ جو کچھ کہا گیا، اس کے مصداق صرف وہی لوگ ہیں جن کی سیرت اور کردار پر، معترض کے بیان کے مطابق، عباداتِ اسلامی کا کوئی اثر مترتب ہی نہیں ہوتا لیکن مجھے یہ تسلیم کرنے سے انکار ہے کہ مسلمانوں کے جتنے نمازی، روزہ دار، زکوٰۃ کے پابند، اور حج ادا کرنے والے ہیں سب کے سب ایسے ہی ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک قلیل تعداد ایسے منافقین پر بھی مشتمل ہو، لیکن الحمد للہ کہ اکثریت کا یہ حال نہیں ہے۔ اکثریت جس مرض میں مبتلا ہے وہ نفاق نہیں ضعفِ ایمانی ہے، اور اسی ضعف کا یہ نتیجہ ہے کہ عبادات کی تاثیریں ضعیف ہو گئی ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، حج بھی کرتے ہیں مگر یہ سب چیزیں دلوں کو مس کرتی ہوئی اس طرح گذر جاتی ہیں، جیسے بھاپ آئینے کی سطح پر ایک ہلکی سی نمی چھوڑ کر گذر جاتی ہے اور چند لمحوں میں اس نمی کا بھی کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ تاثیر کا عدم نہیں بلکہ اس کا ضعف ہے۔ ایمان کی چنگاریاں دلوں میں دبی چھپی اب بھی موجود ہیں، اور ان کی حرارت سے عبادتیں کچھ نہ کچھ اثر ضرور کرتی ہیں لیکن یہ اثر اتنا کمزور ہوتا ہے کہ عبادت گذاروں کی سیرت اور کردار میں اس کے نشانات زیادہ نمایاں نہیں ہوتے۔ ان کے اخلاق و معاملات اور عبادت نہ کرنے والوں کے اخلاق و معاملات میں اب بہت ہی

خفیف سا فرق ہوتا ہے مگر دیکھنے والوں کی نگاہوں میں عبادت گذاروں کی برائیاں زیادہ کھٹکتی ہیں، ایک تارک صوم وصلوٰۃ کی بدسیرتی و بدمعاملگی اتنی زیادہ بری نہیں معلوم ہوتی جتنی ایک پابند صوم وصلوٰۃ کی بدسیرتی و بدمعاملگی کیونکہ تارک کی زندگی میں صرف تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے اس لیے وہ نمایاں نہیں ہوتی۔ اور عابد کی زندگی میں تاریکی کے پہلو بہ پہلو نور بھی ہوتا ہے جو اس کو نمایاں کر دیتا ہے۔ تارک سے دنیا کسی بلندیٔ اخلاق پاکیزگیٔ سیرت اور حسن معاملت کی توقع ہی نہیں رکھتی اس لیے اگر اس سے برے اخلاق و اعمال کا ظہور ہو تو اس کو زیادہ بری نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا لیکن جب ایک نمازی روزہ دار شخص برے افعال کا ارتکاب کرتا ہے تو دیکھنے والوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ اس کی نماز اور اس کے روزے کو دیکھ کر دنیا اس سے فضائل وحسنات کے صدور کی توقع رکھتی ہے

تمدنی غلطی

ایک اور چیز جس کا ہماری عبادتوں کو ضعیف الاثر بنانے میں بڑا حصہ ہے دین اور دنیا کی حد بندی کا یہ دراصل جاہلیت کا اعتقاد تھا جس کو اسلام نے بالکل مٹا دیا تھا، مگر نہ معلوم اس نے کس طرح مسلمانوں میں راہ پالی۔ جاہلیین یہ سمجھتے تھے کہ دین انسانی زندگی کے شعبوں میں سے محض ایک شعبہ ہے جس کا دوسرے شعبوں سے کوئی تعلق نہیں۔ مذہبی رسوم، عبادات اور قربانیاں محض اس لیے ضروری ہیں کہ خدا یا دیوتاؤں کو خوش کیا جائے، اور زندگی کے معاملات میں ان کی تائید حاصل کی جائے۔ ان فرائض کو انجام دے کے جب انسان عبادت گاہوں سے باہر نکلے تو مذہب کی طرف سے اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی اور وہ مختار ہوتا ہے کہ دنیا کے معاملات جس ڈھنگ پر چاہے چلائے۔

اسلام نے اس غلط حد بندی کو مٹایا، دین کو زندگی کا ایک شعبہ نہیں بلکہ پوری زندگی کا نظام العمل قرار دیا۔ عقائد اور اخلاق، ایمان اور سیرت، عبادات اور معاملات، مذہبی اعمال اور دنیوی اعمال کے درمیان ایک گہرا ربط قائم کیا۔ اور انسان کی دنیوی زندگی ہی کو بالکلیہ دینی زندگی بنا دیا

اس کے نقطۂ نظر سے دین اس دنیا کے معاملات سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ اسی دنیا کے کاروبار میں اللہ کے قانون کی پیروی، اور اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کی پابندی، اور اس کے مرضات کے اتباع کا نام دین ہے۔ عبادات اور معاملات دو مختلف چیزیں نہیں ہیں، بلکہ معاملات ہی میں حدود اللہ کی پابندی اور خوشنودی الٰہی کی طلب اور تقرب الی اللہ کی سعی کا نام عبادت ہے۔ نماز روزے اور حج و زکوٰۃ کو عبادت اور فرض قرار دینے کا یہ مقصد نہیں کہ عبادت کو انہی اعمال میں منحصر کر دیا جائے۔ بلکہ یہ اعمال دراصل انسان کو اُس بڑی عبادت کے لیے مستعد کرنے والے ہیں جس کا دائرہ اس کی پوری زندگی پر وسیع ہے۔ مسلمان کی عبادت گاہ پوری کائنات ہے، اس کی ساری زندگی عبادت ہے، اس کو ہر آن خدا کا عبادت گذار بندہ ہونا چاہیے۔ اس کا معبد صرف اس کی مسجد تک محدود نہیں بلکہ مسجد اس کی تربیت گاہ ہے جہاں وہ عبادت کی قابلیت پیدا کرتا ہے، اگر اس کی نماز اور اس کے روزے اور اس کی دوسری عبادتوں کا ربط اس کے معاملات سے منقطع ہو جائے اور وہ اپنی زندگی کے اعمال میں قانون الٰہی کے اتباع سے آزاد ہو تو محض صوم و صلوٰۃ کی پابندی سے وہ دین دار اور عبادت گذار بندہ نہیں بن سکتا۔

افسوس ہے کہ دین کا یہ تصور رفتہ رفتہ مسلمانوں کے ذہن سے محو ہوتا جا رہا ہے۔ اور دین و دنیا کی علیحدگی کا وہی جاہلی تصور اس کی جگہ لے رہا ہے جس کو اسلام نے مٹا دیا تھا۔ یہ اسی غلط تصور کا نتیجہ ہے کہ عبادات اور معاملات کا باہمی تعلق منقطع ہو گیا، عملی زندگی سے نمازوں کا ربط ٹوٹ گیا، معاشیات پر زکوٰۃ کی فرمانروائی باقی نہ رہی، سال کے گیارہ مہینے رمضان کی حکومت سے آزاد ہو گئے بلکہ رمضان غریب خود اپنے حدود میں بھی محض حلق کا دربان بنا کر بٹھا دیا گیا۔ حج کی حیثیت ہندوؤں کی جاترا اور عیسائیوں کے (Pilgrimage) سے زیادہ نہ رہی، اور یہ سمجھ لیا گیا کہ نماز اور فحشاء و منکر، روزے اور فسق و فجور، زکوٰۃ اور حرام خوری، حج اور ہتک حرمات ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں۔